Vol. 6 No.1 2022

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

مثنوی ''سحر البیان'' میں تہذیبی عناصر

غلام یاسین

پی ایچ ڈی اسکالر، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر گلشن طارق

پروفیسر شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

ABSTRACT:

"Culture" and "Civilization" are English terms which have some Urdu Synonyms like; Tehzeeb, Saqaafat and Tamaddun. In Urdu, Culture is used for personal merits and demerits. It is similar to art and fine arts as well as life style of a society. "Masnavi Sehr ul Bayaan" has all the cultural and social values the society of Lakhnow like; historical places, cultural values, social aspects, education, arts, Fine Arts etc. There are supernatural characters in it specially Feroz Shah and MAah Rukh Pari.

Key Words:

تمدن ،اجتماعی آسائشیں،ملکاتِ ذہنی، تخیلی مسائل،خانہ بدوشی، آلاتِ حرب،انسانی تخیل،فنونِ لطیفہ،ارتقائی صورت،تہذیب وثقافت، معیاری رویے،ذرائع نقل وحمل،بیرونی معاشرت،ذریعۂ معاش،زنانِ خانگی،زنانِ بازاری،ڈیرے دار طوائفوں،قدیم عزاداری، ،سحر البیان،مربوط نمونہ، طرزِ معاشرت،مذہبی معتقدات،عیش ونشاط،وصلِ یار،اندازِ دل رُبائی،حریمِ شاہی، تہذیبی مرقع،سائبان، چقیں، مقیش کی ڈوریاں، چھپر کھٹ،کاشانہ ہائے ریاست،چاہ ومنبع، حوض ونہر،شاہانہ زندگی،رئیسانہ ماحول،معانی،منطق،بیان وادب، قانون،ہیئت وہندسہ،نجوم،نحو،نسخ وریحان وخطِ غبار، عروس الخط اور ثلث ورقاع، خفی وجلی،خطِ شعاع،خطِ گلزار، فنِ تیر اندازی،کسبِ تفنگ، فنِ موسیقی، محفل آرائی۔

کلچر اور سویلائزیشن انگریزی زبان کے الفاظ ہیں۔ عربی زبان میں "الثقافۃ" جب کہ اردو میں تہذیب، ثقافت، تمدن کے الفاظ عام طور پر مترادف معنی میں مستعمل ہیں مگر لغوی اور اصطلاحی مفاہیم پر غور کرنے سے مختلف صورتِ حال سامنے آتی ہے:

> "تہذیب' عربی زبان کا لفظ ہے، اِس کا مادہ 'ہَذَبَ' ہے جس کے لُغوی معنی ہیں: شاخ تراشی کرنا، پاکیزہ کرنا، دُرست کرنا، یا اِصلاح کرنا۔"[1]

لفظ "ثقافت"، بہ کثرت استعمال ہوتا ہے، انیسویں صدی تک اردو زبان میں اس کا دخل نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کی اہم لغات، نوراللغات (مرتبہ: مولوی نورالحسن نیر) اور فرہنگِ آصفیہ (مرتبہ: مولوی سید احمد دہلوی) میں موجود نہیں۔ جامع اللغات کے بھی دوسرے ایڈیشن میں ہمیں اس کا معنی ملتا ہے:

> "ثقافت (ع۔ مونث) کلچر۔ تہذیب وتمدن۔ طرز تمدن۔"[2]

"اردو لغت (تاریخی اصولوں پر)" میں ثقافت کے یہ معنی درج ہیں:

> "کسی قوم یا گروہِ انسانی کی تہذیب کے اعلیٰ مظاہر جو اس کے مذہب، نظامِ اخلاق، علم وادب اور فنون میں نظر آتے ہیں۔"[3]

کلچر (Culture) کے لیے اردو میں کلچر کے ساتھ ساتھ 'تہذیب' اور 'ثقافت' کے الفاظ مروج ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے لکھا ہے کہ انگریزی لفظ Culture کے معنی ثقافت، تہذیب، کلچر، کاشت، گروہ یا فرد کی اکتسابی صلاحیت جس کے ذریعے وہ عام مسلّمہ جمالیاتی اور ذہنی ذوق کی شناخت اور تحسین کر سکتا ہے۔ تہذیب کا جمالیاتی و ذہنی حاصل، کسی قوم یا عہد کے حوالے سے تہذیب کا ایک خاص ارتقائی درجہ یا حالت۔۔۔ متمدن بنانا، بیان کیے ہیں۔[4]

فیض احمد فیض نے کلچر کے درج ذیل تین معانی تحریر کیے ہیں:

> "۔۔۔ ہم کلچر کو تین چار معنوں میں استعمال کرتے ہیں اوّل تو شخصی معنوں میں، ایک شخصی صفت کے طور پر کہ۔۔۔ وہ مہذب ہے، شائستہ ہے۔۔۔ کلچر کا لفظ عام طور پر محض فنون کے لیے استعمال کیا جاتا ہے یعنی وہ خاص قسم کی جمالیاتی تخلیقات جو کوئی معاشرہ پیدا

Vol. 6 No.1 2022
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

کرتا ہے۔ اس میں مصوری ہے، شاعری ہے، فنِ تعمیر ہے۔۔۔ عمومی طور پر معاشرہ جس طریقے سے اپنی زندگی بسر کرتا ہے، اس کے رہن سہن میں جو چیزیں داخل ہیں، وہ بھی کلچر ہے۔"[5]

لفظ "تمدّن" کے لیے انگریزی میں Civilization کا لفظ مستعمل ہے جس کا عربی مترادف "تمدّن" ہی ہے جو اردو میں بھی رائج ہے۔ اس کے معنی شہری اور متمدّن بنانا ہیں۔

"اردو لغت (تاریخی اصولوں پر) تمدن کے یہ معنی بتائے گئے ہیں:

۱۔ شہری بود و باش، (کسی ایک جگہ) مل جُل کر رہنا، سماجی زندگی، Civilization

۲۔ شائستگی، تہذیب۔

۳۔ رہنے سہنے کے خاص طریقے، طرزِ معاشرت[6]

بعض ماہرین تہذیب و تمدن کو ہم معنی تصور کرتے ہیں جب کہ خلیفہ عبدالحکیم ان ماہرینِ علم و فن کے ہم خیال دکھائی دیتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ تمدن سے مراد شہری زندگی ہے۔ انھوں نے تمدن کی صراحت یوں کی ہے:

"تمدُّن حقیقت میں وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں لوگ شہروں میں رہنے لگتے ہیں۔ شہری زندگی میں مختلف پیشے ہوتے ہیں اور تقسیمِ کار سے ہر کام اور ہر فن کو ترقی حاصل ہوتی ہے۔۔۔ رسوم و رواج ترقی کرتے کرتے منضبط قوانین کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ دولت اور سامانِ حیات میں افزونی ہوتی ہے ۔۔۔ علوم و فنون کی ترقی سے زینت کے سامان مہیا ہوتے ہیں۔ انسانی عقل بھی مدنیت ہی سے ترقی پاتی ہے۔"[7]

انسانوں کے باہمی میل جول سے میسر آنے والی آسائشوں، مسرّتوں اور ترقیوں کا مجموعہ تمدن کہلاتا ہے۔ جب یہ اجتماعی آسائشیں ضروریاتِ زندگی سے آگے بڑھتی ہیں تو ملکاتِ ذہنی کے استعمال سے معاشرے کے آداب قائم ہوتے ہیں اور ادبی، فلسفیانہ اور دوسرے تخیلی مسائل پر انسانی خیالات رسائی پاتے ہیں یہاں سے تمدّن، تہذیب کی شکل اختیار کر لیتا ہے لیکن جب انسان خانہ بدوشی چھوڑ کر عمرانی اور معاشی زندگی کی بنیاد رکھتا ہے تو اول زراعت، تجارت، آلاتِ حرب، مکانات اور ملبوسات اور دیگر اشیا کی ضرورت پیش آتی ہے۔ انسانی تخیل پھر جب آگے بڑھتا اور ذہن پروان چڑھتا ہے تو آدابِ معاشرت، فلسفہ، مذہب اور فنونِ لطیفہ وجود میں آتے ہیں تو تمدن کی یہ ارتقائی صورت تہذیب و ثقافت بن جاتی ہے کہا جاسکتا ہے کہ انسانی معاشرے کی ترقی یافتہ صورت تمدن کہلاتی ہے اور انسان کے اطوار، مذاق اور دماغ کی تربیت کو تہذیب کا نام دیا جاسکتا ہے۔ بعض مغربی مفکرین نے تہذیب کے ارتقا کو چند منزلوں میں منقسم کیا ہے۔ ان کا خیال ہے:

"پہلی منزل میں کلچر مترادف تھا جانوروں کے پالنے، کاشتکاری کرنے اور صنعت و تجارت کی ایسی چیزیں بنانے سے جو ان کاموں میں مدد ثابت ہوتی تھیں۔ پھر دوسری منزل اس وقت شروع ہوئی جب انسان نے تعلیم حاصل کر کے اپنے جسم اور ذہن کے ملکات اور صفات کی پرداخت کی۔ یہاں کلچر اس مقام پر پہونچ گیا جہاں اس نے انسانی ذہن کی آسودگی کے لیے فنونِ لطیفہ ایجاد کیے۔ اس کے بعد آخری منزل جسے حقیقت میں ثقافت کہنا چاہیے اس وقت شروع ہوئی جب فنونِ لطیفہ وجود میں آچکے تھے لیکن ذہنی تربیت کے ثمرات یعنی ذوقِ سلیم، توازنِ ذہنی اور جمالیاتی اقدار پر حکم لگانے اور فیصلہ صادر کرنے کی ضرورت درپیش تھی۔ گویا ثقافت ان ثمرات کا نام ہے جو تہذیب کی دونوں منزلوں کے طے ہو جانے پر ہاتھ آتے ہیں۔"[8]

آرنلڈ ٹائن بی نے تمدُّن کا درج ذیل مفہوم بیان کیا ہے:

"تمدُّن تاریخی مطالعے کے قابلِ فہم میدان ہیں۔۔۔ جو زمان و مکان میں قومی ریاستوں، شہر یا شہری ریاستوں یا دیگر کسی بھی سیاسی سماجوں کے مقابلے میں زیادہ وُسعت کے حامل ہوتے ہیں۔"[9]

کہا جاسکتا ہے کہ تمدن کی اصل مدینہ یعنی شہر ہے۔ لوگوں کا باہم مل کر رہنا اور کسی بستی کو بسانا تمدن (Civilization) ہے۔ اسی تمدن میں جو اقدار فروغ پاتی ہیں، وہ تہذیب (Culture) ہے۔ اگر تمدن نہ ہو تو تہذیب کا وجود بھی ممکن نہیں اور یہ بھی کہ کلچر، تمدّن، تہذیب اور ثقافت کا تشخص جداگانہ ہے۔

لکھنوی تہذیب وثقافت ،کلچر اور تمدن، محلوں، سڑکوں، گلیوں، منڈیوں، بازاروں، چوکوں، اشیا کی قیمتوں اورارزانی، عمارات، باغات، ذرائع نقل وحمل، محلات، محل سراؤں، ڈیوڑھیوں، وضع قطع، رہن سہن، خانگی زندگی، ملازمین ومقربین، دربار، بیرونی معاشرت، دستر خوان، لباس، طعام، ذریعۂ معاش، عوام وخواص کے میں بٹیر بازی، کبوتر بازی، مرغ بازی، پتنگ بازی، میلے اوردیگر تفریحی اجتماعات، طوائف بازی میں زنانِ خانگی، زنانِ بازاری اورڈیرے دار طوائفوں، فنونِ لطیفہ میں رقص وموسیقی، مصوری وخطاطی، شاوری وغوطہ خوری، علمی، ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں، قدیم عزاداری، فن کاریوں، صنت کاریوں، محلات کی زندگی، شادی وغم کی تقاریب اور پست طبقہ کے عوام کے رہن سہن، طرزِ زندگی اوران کے مالی حالات پر مشتمل دکھائی دیتی ہے۔ان تمام عناصر کیے مرقعے ہمیں مثنوی ''سحر البیان'' میں بڑی تفصیل کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔

مثنوی ''سحر البیان'' مثنوی نگاری کا پہلا اور سب سے مکمل اور مربوط نمونہ تسلیم کیاجاتاہے جو شمالی ہند کی یادگار ہے۔ اسے بعض روایتی قصوں سے مواد لے کر ترتیب دیا گیا۔ یہ قصّہ خاصہ دلچسپ ہے۔ میر حسنؔ قصّہ گوئی کے فن سے نابلد نہیں تھے بل کہ اس فن سے بہ خوبی آگاہ تھے۔ موصوف قصّہ کی صورت میں لکھنوی تہذیب کی رنگارنگ مرقع کشی کرناچاہتے تھے اوراس مقصد کے حصول میں وہ کام یاب رہے۔ اس ضمن میں رضیہ سلطانہ کا خیال ہے کہ میر حسنؔ نے مثنوی میں اس عہد کے تہذیبی مرقعوں کو مصور کیاہے جن میں لکھنوی تہذیب کی تمام خوبیاں اور خامیاں سامنے رکھ دی ہیں:

> ''۔۔۔۔اسی وقت پوری طرح میرے ذہن پر بھی یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ اس مثنوی کے صفحات اس عہد کے تہذیبی مرقعوں کے لیے اوراق مصوّر کی حیثیت رکھتے ہیں اس کو جس قدر دل چپسی سے دیکھاجائے گا اتناہی دل چسپ حقائق سے نظر دوچار ہوگی اس کاروایتی انداز فکر اوراسلوب بیان ایک ہلکاساپردہ ہے جس کے نظر کے سامنے سے ہٹ جانے اوراُٹھ جانے کے بعد جو صورت سامنے آتی ہے وہ لکھنوی تہذیب اور اس کے حال وخیال کا ایک ایسا عکس ہے جس میں اس کی تمام خوبیاں اور خامیاں جلوہ گر ہیں۔ مقالہ نگارنے مثنوی کے عناصر ترکیبی کا اسی نقطۂ نظر سے جائزہ لیاہے قصہ اورافراد قصہ بادی النظر میں ایک عمومیت اورروایتی انداز رکھنے کے باوصف اس عہد سے ایک خصوصی تعلق رکھنے والے انسان ہیں۔ ان کی خواہشیں ان کی خوشیاں، ان کے شب وروزان کی جرأت شوق اور نفسیاتی انفعال، غرض ان کے افکار کردار کاایسا کون ساپہلو ہے جو آصف الدولہ کے لکھنؤ سے الگ ہے یہ تہذیب اپنی چمکیلی سطح کے نیچے بہت سی کمزوریاں اور خامیاں بھی رکھتی تھی وہ بھی اس قصے کے بین السطور میں بے نقاب نظر آتی ہیں۔''[10]

میر حسنؔ اوراس عہد کے معاشرہ کی ذہنی تشکیل درایت کے بجائے روایت اور معقول سے زیادہ منقول کا عمل دخل دکھائی دیتاہے۔ خاص طور پر جاگیر دار طبقہ کا طرزِ معاشرت بہت حد تک روایات کا مرہونِ منّت ہے۔ جس کا عکس مثنوی میں مذہبی معتقدات کی صورت میں پایاجاتاہے۔ اس معاشرہ میں اللہ کو وحدہ لاشریک، غفورورحیم اور عزّوجل تسلیم کیاجاتاتھا۔

خدا کی قدرت کے تصور کے متوازی وحدت الوجود کا عقیدہ ہے جو تصوف کا ایک بنیادی نظریہ ہے اور جسے اس دور کی ہندوستانی معاشرت میں وحدت الشہود کی صورت میں اپنے فلسفۂ فکر کی بنیاد بنالیا تھا جس نے اس ملک میں ہندایرانی تہذیب کے اثرات کو عام کرنے اور دونوں قوموں میں مذہبی رواداری اور تہذیبی ہم آہنگی پیدا کی۔ میر حسنؔ شیعہ عقائد رکھتے تھے۔ یوں وہ مذاقِ تصوف سے بے گانہ نہ تھے۔

بادشاہ اوررعایامیں اکثر ضعیف الاعتقاد تھے اگرچہ اسلامی عقائد کووہ یکسر بھول بھی نہیں چکے تھے۔۔ اسلامی اعتقادات کی جھلک حمدونعت میں دکھائی دیتی ہے۔ اثناعشری عقائد کا عکس بھی نمایاں ہے۔ اسلام کے برعکس نظریات میں تصوف پر روشنی الی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ نجومی، رمّال اور برہمن بھی عالم الغیب کا درجہ اور مقام رکھتے ہیں۔ غیر اسلامی عقاید کی ایک جھلک ذیل کے شعر میں دیکھیے:

نجومی و رمّال اور برہمن
غرض یاد تھا جن کو اس ڈھب کا فن[11]

بادشاہ نے غیب کا علم جاننے کے لیے نجومی، رمّال اور برہمن توبلائے جو بادشاہ کی بدعقیدگی پر دال ہیں۔ اسی کے ساتھ ان سب پر بے اعتمادی اوراللہ کی قدرت پر یقین اس کے اسلامی عقیدہ کو اجاگر کرتاہے:

Vol. 6 No.1 2022
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

کہا شہ نے: اس پر نہیں اعتبار
جو چاہے کرے میرا پروردگار[2 1]

شہزادہ بے نظیر کو ماہ رُخ پری جب اٹھا کر اپنے ساتھ پرستان میں لے گئی تو اسے اپنی طرف مائل رکھنے کے لیے طرح طرح اسباب مہیّا کرتی رہتی تھی جن میں نت نئے کھانے، میوے، لباس وغیرہ شامل ہیں۔ اس کی خوشامد کرتی۔ نت نئے سانگ اور راگ رنگ کی محفلیں سجاتی۔ یہاں تک کہ عیش ونشاط کے لیے طاق میں شراب کے شیشے چھائے رکھتی اور وصلِ یار کے موقع پر شیشہ وے اور محبوب سے اپنادل بہلاتی۔ صورت حال یہ تھی کہ ماہ رُخ پری اپنے والدین سے دور ایک محل میں رہا کرتی۔ یہ صورت حال اس تہذیب کی یاد دلاتی ہے جس میں شہزادیاں اس پری کی طرح والدین سے دور کسی اور جگہ جا کر خوب دادِ عیش وعشرت دیتی تھیں:

شرابوں کے شیشے چُنے طاق میں
گزک وہ کہ نکلے نہ آفاق میں
شراب و کباب و بہار و نگار
جوانی و مستی و بوس و کنار (13)

ماہ رُخ پری کا اندازِ دل رُبائی اور بے تکلفی حریمِ شاہی میں رہنے والی عورتوں کی بے حجابی کا مظہر ہے جو امیر زادوں اور شہزادوں سے بے تکلّفانہ عشق کرتیں اور اپنی خلوتوں کا ساتھی بناتیں۔ عاشقی اور جنسی قربت کے معاملات کے باعث ان کے دلوں سے شاہی رعب جاتا رہا تھا۔ لگاؤ اور پیار میں جب خفگی پیدا ہوتی تو لہجہ کی درشتی اسلوبِ گفتار کو اس مقام تک لے آتی ہے امیر زادی، امیر زادی نہیں رہتی اور شہزادہ، شہزادہ نہیں رہتا۔

مثنوی میں تعلقات، ان کی جذباتی سطح اور اظہارِ خیال کا اسلوب طوائفوں سے متاثر ہے جس سے محل اور محل سے باہر کی زندگی اور معاشرت کے دونوں پہلو متاثر ہو چکے تھے۔ یہی طوائفیں، بادشاہوں اور رئیسوں کے ہاں کہیں باندیاں، کہیں خواصیں، کہیں ممتوعات اور کہیں بیگمات بن کر معاشرے پر مسلط ہو چکی تھیں۔ کردار اور اطوار پر ان کا اثر تھا۔ ذہنی نشوونما اور آدابِ زندگی میں ان کا اتنا بڑا ہاتھ تھا کہ خواص کے بچوں کی تعلیم وتربیت تک ان طوائفوں کے ذمہ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اس عہد میں طوائف کو تہذیب کی علامت سمجھا جانے لگا تھا۔ عوام اور خواص کے درمیان سے حجاب کے پردے اٹھ گئے تھے اور بے تکلفی عام دکھائی دینے لگی تھی۔ نجم النساء، جو ایک وزیر زادی ہے، کا کردار اس حجاب کے اٹھ جانے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ یہ کردار ہوشیار، چالاک، عشق ومحبت کے معاملات میں بے باک، عاشق مزاج کردار ہے جو اپنے شوق کو دوسروں کے ذریعے پورا کرتا دکھائی دیتا ہے۔ بدر منیر کی جھجک دور کرنے کے لیے نجم النساء ہی درمیان آجاتی ہے:

ٹک اک حظ اُٹھا زندگانی کا تو
مزہ دیکھ اپنی جوانی کا تو
مے عیش کا جام اب نوش کر
غمِ دین و دنیا فراموش کر
یہ حسن و جوانی ، یہ جوش و خروش
غفورست ایزد ، تو ساغر بنوش(14)

میر حسن کو ذہنی ماحول اور تہذیبی مرقع کی پیش کش کے لیے اُس زندگی اور اس کے تہذیبی ماحول کے تصور کرنے کو اس رنگ وبو، اس دھوپ چھاؤں اور اس اندھیرے اجالے کی ضرورت تھی جس میں وہ زندگی بسر ہو رہی تھی۔ میر حسن نے قصہ کے ضمن اور واقعات کے تسلسل میں پیش کیے گئے بہت سے مناظر میں سے باغات کی تصویر کشی پر زیادہ زور دیا ہے کیوں کہ ان کے عہد میں فیض آباد اور لکھنؤ میں ایسے حسین ورنگین گل کدے اور باغات لگائے جا رہے تھے جن سے محمد شاہی عہد کی یاد تازہ ہو رہی تھی۔ خانہ باغ کا منظر کس قدر دیدہ زیب ہے جس میں لالہ، سائبان، چقیں، پردے، مقیش کی ڈوریاں، چھپر کھٹ اور دیگر زیب وزینت کی اشیا بہ حسن وخوبی موجود ہیں؟

Vol. 6 No.1 2022
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

باغات کے پہلو بہ پہلو شاہی محلات اور کاشانہ ہائے ریاست اس عہد کی تعمیرات میں اہمیت کی حامل ہیں۔ عجب شہر، جسے لکھنؤ کا نام دیا جاسکتا ہے، کی تعریف ایک تعمیری مرقع ہے جہاں خاص طور پر چاہ و منبع اور حوض و نہر کی لطافت نے اس شہر کو اصفہانِ نصف جہاں بنا دیا ہے:

کہیں چاہ و منبع ، کہیں حوض و نہر
ہر اک جا پہ آبِ لطافت کی لہر
عمارت تھی گچ کی وہاں بیشتر
کہ گزرے صفائی سے جس پر نظر
کروں اس کی وسعت کا کیا میں بیاں
کہ جوں اصفہاں تھا وہ نصف جہاں (15)

یہ تھا شہر کا وہ نقشہ جہاں زنگی کے نقوش ابھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں حکم رانِ وقت کی سخاوت سے گھر کے گھر امیر ہو گئے ہوں وہاں خود شاہی کارخانے کی رونقیں اور رنگینیاں کس جوبن پر ہوں گی؟ اس کا اندازہ خانہ باغ کے اس محل کو دیکھنے سے لگایا جاسکتا ہے:

عمارت کی خوبی، دروں کی وہ شان
لگے جس میں زربفت کے سائبان
چقیں اور پردے بندھے زرنگار
قدوں پر کھڑی دست بستہ بہار
کوئی ڈور سے در پہ اٹکا ہوا
کوئی زہ پہ خوبی سے لٹکا ہوا
وہ مقیش کی ڈوریاں سر بہ سر
کہ مہ کا بندھا جن میں تارِ نظر
چقوں کا تماشا ، تھا آنکھوں کا جال
نگہ کو وہاں سے گزرنا محال
سنہری مغرق چھتیں ساریاں
وہ دیوار اور در کی گل کاریاں
چھپر کھٹ مرصع کا دالان میں
چمکتا تھا اس طرح ہر آن میں (16)

میر حسنؔ نے لکھنؤ کی شاہانہ زندگی اور رئیسانہ ماحول کے ساتھ ساتھ اپنے مشاہدے کی وسعت اور مطالعے کی رنگارنگی کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ وہ شہری ماحول کی رنگینیوں کے ساتھ ساتھ جنگل کی آزاد فضا کو بھی بھول نہیں پاتے کیوں کہ شاہی سیر و تفریح کے سلسلہ میں لکھنؤ کا شہری طبقہ ان مناظر سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ چاندنی رات میں سنسان جنگل کا یہ حسین مرقع کتنا دل فریب ہے۔

محلّات اور باغات کے یہ مرقعے ایسا نگار خانہ ہیں جو ایک ایسی تہذیب کو بے نقاب کر رہے ہیں جس کا مشاہدہ میر حسنؔ نے اپنی آنکھوں سے کیا تھا۔ میر حسنؔ کے یہ مرقعے اپنے عہد کی تہذیب اور زندگی کو بھرپور انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ لکھنؤ کے رشکِ ارم باغات اور محلات میں شہزادے، شہزادیاں، کنیزیں، خواصیں اور دیگر افراد ہمیں چلتے پھرتے اور ہنستے بولتے دکھائی دیتے ہیں۔ بادشاہ کی زندگی انہی رنگ رلیوں اور حسن و جمال کے جمگھٹوں میں بسر ہو رہی ہے۔

Vol. 6 No.1 2022
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

لکھنوی تہذیب وتمدن کا یہ افسانوی مرقع تب تک نامکمل رہے گا جب تک کہ اس میں انسانی پیکروں سے سراپااور نقش ونگار کو شامل نہ کرلیاجائے۔ مثنوی میں میر حسنؔ کی راپانگاری ان کی مصورانہ چابک دستی اور شوقِ جزئیات نگاری کا منھ بولتاثبوت ہے۔ یہ سراپانگاری میر حسنؔ اوراس کے عہد کی حسن پرستی اور جمالیاتی احساس کی آئینہ دار بھی ہے۔ مجسمہ سازی اورانسانی حسن کی نقش گری ہندوستانی آرٹ کااہم عنصر رہی ہے۔ یہ ہمیں پتھر اور دھات کے بتوں اور خطوط ورنگ سے مزین تصاویر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ میر حسنؔ نے الفاظ کی صورت میں شہزادہ بے نظیر کاجو سراپاتراشاہے،وہ قابلِ توجہ ہے۔

طریق فکراور طرزِبودوباش کے ساتھ ساتھ ملبوسات اورزیورات بھی تہذیب کااہم جزوہیں۔ان میں شہزادوں،شہزادیوں اوردربار سے متلق دیگر طبقات کے ملبوسات اورزیورات شامل ہیں جوخاص تقریبات، جشن، جلوس روزمرہ کے مواقع پر پہنے جاتے تھے۔ شہزادی کالباس اوراس کے زیورات اس کی عمدہ مثال ہیں۔

روزمرہ زندگی کے ساتھ ساتھ تہذیبی ماحول کی عکاسی تقریبات یاجشن کے مواقع پر بھی دکھائی دیتی ہے۔ایسے مواقع پر جاگیردارانہ تہذیب کی رنگینیاں اورمادی زندگی کی رونقیں ایک مرکزپر کھائی دیتی ہیں۔مثنوی سحرالبیان میں شہزادہ بے نظیرکے جشنِ ولادت کی ذراسی جھلک دیکھیے جہاں خواص،خواجہ سرا،خوجے،خانساماں،نقیب،نقارچی،شہنانوازاپنااپنا کردار نبھاتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔

میر حسنؔ نے شادیوں کاسماں مفصل بیان نہیں کیابل کہ اشارۃً بتادیا۔شہزادے کی تعلیم کے تذکرے کے ساتھ تمام مروجہ علوم وفنون کی تفصیل بیان کردی ہے۔ان علوم وفنون میں معانی ومنطق،بیان وادب، قانون،ہیئت،ہندسہ، نجوم اور صرف ونحو شامل ہیں:

معانیؔ و منطق، بیان و ادب
پڑھا اس نے منقول و معقول سب
خبر دار حکمت کے مضمون سے
غرض جو پڑھا اُس نے، قانون سے
لگا ہیئت و ہندسہ تا نجوم
زمیں آسماں میں پڑی اُس کی دھوم
کیے علم نوکِ زباں حرف حرف
اِسی نحو سے عمر کی اُس نے صرف[17]

خوش نویسی اور خطاطی کا فن سیکھاتواپنے اتالیق سے تمام طرزہاے تحریر پر دسترس حاصل کی جن میں خطِ نسخ،ریحان، غبار، عروس الخطوط، ثلث، رقاع، خفی وجلی مثلِ خطِّ شعاع ،تعلیق اور خطِّ گلزار شامل ہیں:

لیا ہاتھ جب خامہ مشک بار
لکھا نسخ و ریحان و خطِّ غبار
عروس الخطوط اور ثلث و رِقاع
خفی و جلی مثلِ خطِّ شعاع
شکستہ لکھا اور تعلیق جب
رہے دیکھ حیراں اتالیق سب
کیا خطِّ گلزار سے جب فراغ
ہوا صفحۂ قطعہ گلزار باغ(18)

اسی کے ساتھ ساتھ فنِ تیراندازی، کسبِ تفنگ اور فنِ موسیقی میں مہارتِ تامہ حاصل کرلی۔

Vol. 6 No.1 2022
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

میر حسنؔ نے اپنے عہد کے لکھنؤ کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کی ہیں۔اس طرح ہم آج بھی اس عہد کے لکھنؤ کے درست خدوخال دیکھ سکتے ہیں۔طربیہ قصہ ہونے کے باوصف مثنوی میں جابہ جاپُر مسرت تقریبات کے مرقعے دیکھے جاسکتے ہیں۔اس ضمن میں شہزادہ بے نظیر اور شہزادی بدر منیر کی شادی کی تقریب ان پر مسرت تقریبات کا بہترین مرقع ہے۔اس موقع پر میر حسنؔ نے لکھنؤ کے شاہی خاندان میں شادی کے موقع پر دھوم دھام،رنگ رلیوں اور رسومات میں پیش کیا ہے۔ان رسومات میں راگ رنگ، دولھے کی روانگی،برات میں آتش بازی،برات کی دلھن کے گھر آمد پر استقبال، محفل آرائی،زنان خانے کا مرقع،نکاح کی رسم،رخصتی شامل ہیں۔

غرض یہ کہاجاسکتاہے کہ میر حسنؔ نے "مثنوی سحر البیان" میں لکھنوی تہذیب کا ایک مکمل مرقع پیش کر دیاہے جس سے ہم آج بھی اس مثنوی کا مطالعہ کرکے دیکھ سکتے ہیں۔مثنوی کی زبان دہلی اور لکھنؤ کی مشترکہ زبان کہی جاسکتی ہے کیوں اس عہد تک دونوں دبستانوں کی زبانوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں آنے پایا تھا۔

حوالہ جات/حواشی:

1۔ روحی البعلبکی،الدکتور،المورد، قاموس عربی۔انگلیزی،دارالعلمی للملایین،بیروت،لبنان،طبع ہفتم،1995ء،ص1205

2۔ عبدالمجید،خواجہ،جامع اللغات،جلد اول،لاہور:اردو سائنس بورڈ،طبع اول،مارچ1989ء،ص735

3۔ اُردو لغت(تاریخی اُصول پر)،جلد ششم،اُردو ڈکشنری بورڈ،کراچی،1983ء،ص68

4۔ جمیل جالبی،قومی انگریزی اردو لغت،اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،1992ء

5۔ فیض،فیض احمد،ہماری قومی ثقافت،ادارۂ یادگارِ غالب،کراچی،فروری1976ء،ص17

6۔ اُردو لغت(تاریخی اُصول پر)،جلد پنجم،اُردو ڈکشنری بورڈ،کراچی،1983

7۔ عبدالحکیم،خلیفہ،ثقافت،(مضمون)مشمولہ:کلچر۔منتخب تنقیدی مضامین،مُرتّب:اِشتیاق احمد،کتاب سرائے،لاہور،2007ء،ص42

8۔ صفدر حسین،ڈاکٹر سید،"لکھنؤ کی تہذیبی میراث(تاریخ،تمدّن اور تہذیب)"،لکھنؤ،نظامی پریس،اپریل1978،ص104

9. Arnold Toynbee, A Study of History, Vol. 1, Oxford University Press, London, 1934, p.455.

10۔ رضیہ سلطانہ،مثنوی سحر البیان ایک تہذیبی مطالعہ،دہلی،کتاب بھون،جنوری1964، ص17۔18

11۔ رشید حسن خاں،(فروری2011)،مثنوی سحر البیان،نئی دہلی،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،بہ اشتراک:نئی دہلی،قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان،ص31

12۔ ایضاً

13۔ ایضاً،ص331

14۔ ایضاً،ص75

15۔ ایضاً،ص28۔29

16۔ ایضاً،ص38۔39

17۔ ایضاً،ص42

18۔ ایضاً،ص42۔43